موجودہ عالمی تناظر اور پاکستان امریکہ تعلقات

وزارت خارجہ کے سابق سیکرٹری جنرل اور سینٹ کی خارجہ تعلقات کمیٹی کے چیئرمین جناب اکرم ذکی سے روزنامہ نوائے وقت کے جناب رؤف طاہر کا خصوصی انٹرویو

☆ نوائے وقت ..... موجودہ عالمی حالات، خصوصاً" خطے کی صورتحال کے تناظر میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

○ اکرم ذکی ..... ہمارے خطے میں دو حالیہ تبدیلیاں بہت اہم ہیں۔ بھارت جس کے ساتھ ہمارے تعلقات ہمیشہ مشکل، پیچیدہ اور کشیدہ رہے، وہاں ایک بنیاد پرست ہندو حکومت آ گئی۔ ویسے تو میرے خیال میں پاکستان کے حوالے سے کانگریس اور بی جے پی کے مقاصد اور عزائم میں کوئی فرق نہیں۔ صرف ان مقاصد کے حصول کے لیے دونوں کے اسلوب میں فرق ہے۔ کانگریس سیکولر ازم کے لبادے میں گھما پھرا کر اور مسکراہٹوں کے جال پھیلا کر پیش رفت کرتی ہے جبکہ بی جے پی یہ منافقت نہیں کرتی۔ وہ اپنے دل کی بات کھل کر زبان پر لے آتی ہے جس کی وجہ سے دھوکے، فریب، خوش فہمی یا حسن ظن کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔

خطے میں دوسری تبدیلی افغانستان میں طالبان فیکٹر ہے جس نے کابل سمیت افغانستان کے غالب حصے پر کنٹرول کے بعد حال ہی میں شمالی افغانستان میں بھی اہم کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ انہیں دنیا اسلامی بنیاد پرست کہتی ہے، ویسے وہ اپنا مقصد نکل جانے کے بعد طالبان سے پہلے والوں کو بھی بنیاد پرست کہنے لگی تھی۔

عالمی سطح پر جو تبدیلیاں آئی ہیں، ان میں اہم ترین یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی سطح پر جو نظام یا توازن قائم ہوا تھا وہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ جنگ عظیم کے بعد دو سپر پاورز امریکہ اور سوویت یونین باہم نبرد آزما رہتے تھے۔ اور دوسرے ممالک کو اپنے ساتھ ملانے اور ساتھ رکھنے کے لیے انہیں مختلف ترغیبات دیے رکھتے۔ اقتصادی اور فوجی امداد ان ترغیبات میں سر فہرست تھی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد عالمی سطح پر توازن درہم برہم ہو گیا تو امریکہ کو اپنے اتحادیوں کی کوئی خاص ضرورت نہ رہی چنانچہ پاکستان جیسے

اتحادیوں کے لیے امریکی امداد کی بندش کوئی اچانک رونما ہونے والے حادثہ نہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی اس امداد کا ختم ہو جانا بھی ایک لازمی امر تھا۔

سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد امریکی انداز فکر میں بہت بڑی تبدیلی آئی ہے۔ یہ کہ دنیا بھر میں واحد سپر پاور کی حیثیت سے وہ من مانی کر سکتا ہے اور اس کی زور آوری کے سامنے اب کوئی رکاوٹ نہیں۔ میں امریکیوں کے اس انداز فکر کو ان کی خام خیالی قرار دیتا ہوں کیونکہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ابھرنے والے نئے عالمی منظر کے حوالے سے یورپ اور مشرق میں بھی نئے احساسات کی لہریں ابھر رہی ہیں۔

اہل یورپ کا خیال ہے کہ سرد جنگ کے دوران انہیں سوویت یونین اور سوویت کیمونزم سے تحفظ کے لیے اگر امریکہ کی سرپرستی کی ضرورت تھی تو اب وہ نہیں رہی۔ ادھر مشرق میں چین اور جاپان کی صورت میں نئے حقائق نے جنم لیا ہے۔ چین بہت بڑی سیاسی واقتصادی قوت کے بعد اب کسی حد تک ایک بڑی عسکری قوت کے طور پر بھی ابھر رہا ہے۔ جاپان عسکری قوت نہ سہی لیکن ایک بہت بڑی اقتصادی قوت بن چکا ہے۔ اتنی بڑی اقتصادی قوت جس سے خود مغرب ہراساں ہو گیا اور اسے کمزور کرنے کی کوششیں (بلکہ سازشیں) شروع کر دیں۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اب امریکہ کی توجہ بھی "جیو سٹر-یجک" معاملات سے زیادہ "جیو اکنامک" امور پر ہے۔ خلیج کی جنگ کو امریکیوں نے اپنے اقتصادی مفادات کو کیش کرانے کے لیے استعمال کیا۔ گزشتہ بیس برسوں میں مشرق کے جو ممالک اقتصادی لحاظ سے طاقتور ہو گئے تھے، اب وہاں اقتصادی بحران پیدا کیے جا رہے ہیں اور ان کی سٹاک مارکیٹس کو بحران سے دوچار کر کے دولت کا بہاؤ امریکہ کی طرف کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئی ہیں۔ امریکی اس خوش گمانی کا بھی شکار ہیں کہ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد اگرچہ جرمنی اور جاپان پر پرزے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن تیل کے ذخائر پر تو ہمارا (امریکیوں کا) قبضہ ہے۔ جاپان اور جرمنی اس بنیادی ضرورت کے بغیر کہاں تک پرواز کر سکیں گے۔

کیمونزم کے زوال کے بعد وہ اسلام کی (ممکنہ) ابھرتی ہوئی طاقت کو، اگر دشمن کا نہیں تو ایک غیر دوست طاقت کا درجہ ضرور دیتے ہیں جیسے وہ فنڈا مینٹلزم، ریڈیکل ازم اور ایکسٹریم ازم کے نام سے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چین کے محاصرے (Containtment of China) کی پالیسی میں ناکامی کے بعد اب وہ اسے Constructive Management کی طرف لے آئے ہیں اور خود چین

میں امریکیوں کے متعلق بڑا محتاط نقطہ نظر پایا جاتا ہے۔ اہل چین سمجھتے ہیں کہ امریکیوں کے ساتھ ان کے کوئی حقیقی مشترکہ مفادات موجود نہیں لیکن وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں کہ امریکیوں کا اس طرح مقابلہ کر سکیں جس طرح سوویت یونین کرتا تھا' چنانچہ چین اور امریکہ کے مابین کشیدگی بھی رہے گی اور تعاون بھی چلے گا۔ چین کے ہم جیسے دوستوں کو اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ چین آنکھیں پھیر رہا ہے۔

ادھر پاکستان کا معاملہ یہ ہے کہ ہم اپنے اسلامی تشخص پر فخر کرتے ہیں۔ ہم نے آئین میں بھی اس کا پورا اہتمام کیا ہے۔ اسلام اور امت مسلمہ کے حوالے سے مقامی و بین الاقوامی ایشوز پر اہل پاکستان کی طرف سے جوش و خروش کا اظہار بھی باقی مسلم اقوام کی نسبت کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ ہم آبادی کے لحاظ سے بھی خاصے بڑے ہیں اور ہماری تکنیکی صلاحیت بھی اغیار کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے۔ افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ تک تو ہماری یہ صلاحیتیں ہمارے مغربی "دوستوں" کو گوارا بلکہ لائق تحسین تھیں' لیکن ادھر افغانستان سے سوویت یونین کے انخلاء کا آغاز ہوا' ادھر ہمیں ان صلاحیتوں کی بنا پر پھر شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔

یہاں میں نیوکلیئر صلاحیت کے حوالے سے بھارت اور پاکستان کے متعلق مغرب کے دوہرے معیار کا ذکر بھی کرتا چلوں۔ بھارت نے ۲۴ برس پہلے (۱۹۷۴ء میں) اپنا پہلا ایٹمی دھماکہ کیا۔ اسے چیک کرنے کی بجائے امریکہ سمیت پورے مغرب کی خواہش اور کوشش یہ رہی کہ پاکستان یہ صلاحیت حاصل نہ کرنے پائے۔ ہم نے تو کوئی ایٹمی دھماکہ نہیں کیا تھا' لیکن ۱۹۷۴ء سے ہم پر پابندیاں لگتی اور ہٹتی رہیں' کبھی سمنگٹن ترمیم' کبھی گلین' کبھی سولارز اور کبھی پریسلر ترمیم۔ میں یہاں اگر یہ کہوں تو شاید غلط نہ ہوگا کہ اہل مغرب غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر بھارت کی تو پشت پناہی اور ہمیں پورے شعور کے ساتھ روکنے کی کوشش کرتے رہے۔

افغان وار کے چند برس ایسے تھے جب امریکیوں نے ہمارے ایٹمی پروگرام سے نظریں ہٹا لیں' لیکن ادھر سوویت انخلاء شروع ہوا' ادھر ہم سخت پابندیوں کی زد میں آ گئے۔ پھر آپ دیکھیں کہ بھارت کی واجپائی حکومت نے ۱۱ مئی کو ایٹمی دھماکے کیے لیکن "عالمی دباؤ" اس پر نہیں بلکہ ہم پر تھا کہ ہمیں روکا جائے' ہم ایٹمی دھماکہ نہ کریں۔ آپ تصور کریں کہ دھماکوں کے بعد بھارتی قیادت کا رویہ کیا تھا؟ ہمیں دھمکیاں مل رہی تھیں کہ اب آزاد کشمیر کی خیر مناؤ۔ وہ "بگ بم" چلانے کی بات کر رہے تھے۔ بھارتی ایٹمی دھماکوں کے نتیجے میں

خطے میں سیاسی و عسکری توازن بدل گیا تھا۔ پاکستان خطے میں واحد ملک ہے جو بھارت کے مقابلے میں اپنی قومی پالیسی رکھتا ہے ورنہ خطے کے باقی ممالک تو اس سے مرعوب اور ہراساں رہتے ہیں۔

پاکستان کے جوابی ایٹمی دھماکوں کے بعد ہم دورے پر گئے تو ان ممالک کے لوگ اس پر اظہار مسرت کر رہے تھے کہ پاکستان کے ۲۸ مئی کے اقدام کے نتیجے میں خطے میں نیا توازن قائم ہو گیا۔ جنوبی ایشیا کو بھارتی بالادستی کے عزائم سے بچانے کے لیے بھارت کے مقابلے میں ایک اور ایٹمی طاقت کا وجود ضروری ہے۔

٭ نوائے وقت ..... لیکن بعض لوگ اب بھی اصرار کرتے ہیں کہ پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کر کے غلطی کی۔ ہم ایسا نہ کرتے تو نہ صرف نئے اقتصادی دباؤ سے محفوظ رہتے بلکہ پہلے سے موجود اقتصادی بوجھ میں بھی خاطر خواہ کمی کرا لیتے۔

○ اکرم ذکی ..... جہاں تک امریکی پابندیوں کا تعلق ہے' یہ پہلے بھی لگتی رہی ہیں بلکہ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکی امداد کا فلسفہ ہی ختم ہو چکا ہے۔ آپ ایٹمی دھماکے نہ کرتے تو وہ چائلڈ لیبر' ہیومن رائٹس' اسلامک فنڈا مینٹلزم یا جموں کشمیر کو پابندیاں عائد کرنے کا بہانہ بنا لیتے۔ آپ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ امریکہ ہمیں آزاد و خود مختار بھی نہیں دیکھنا چاہتا اور اس کی یہ بھی خواہش ہے کہ ہم مکمل طور پر اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائیں۔ وہ پاکستان سے کسی حد تک تعلقات ضرور قائم رکھنا چاہتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ باہم مذاکرات کے نتیجے میں رفتہ رفتہ تعلقات میں بہتری آجائے گی۔ امریکی کانگریس اور سینٹ کی یہ رائے سامنے آ رہی ہے کہ گلین ایکٹ میں ترمیم کر کے پاکستان کے لیے نرمی پیدا کی جائے۔ سخت پابندیاں خود امریکہ کے اپنے کاروباری مفادات کے خلاف ہیں کیونکہ اس صورت میں ہم فرانس اور برطانیہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں' جہاں یہ پابندیاں نرم ہیں۔

میری اس گفتگو سے یہ مفہوم اخذ نہ کریں کہ مجھے مشکلات کا احساس نہیں۔ مشکلات موجود ہیں اور کچھ عرصہ کے لیے ان میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے۔ حالات کے تقاضوں اور مستقبل کے چیلنجوں سے موثر طور پر نمٹنے کے لیے ہمیں ایسی قومی خارجہ پالیسی وضع کرنی چاہئے جس میں ہمارے قومی وقار اور سلامتی کو باقی تمام امور پر فوقیت حاصل ہو۔ نئے حالات میں ہمیں دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے خود پر انحصار کرنا ہو گا جس کے لیے دستیاب وسائل اور صلاحیتوں کا حقیقی ادراک اور درست استعمال ضروری ہے۔ میں ساڑھے

چار سال چین میں سفیر رہا۔ ہمارے چینی دوست اس امر پر حیرت کا اظہار کرتے کہ ہم اپنے بارہ تیرہ کروڑ افراد کے ایک ایک منہ اور پیٹ کے حوالے سے پریشان ہونے کے بجائے ان کے دو دو ہاتھوں کو بروئے کار کیوں نہیں لاتے؟

خداوند تعالیٰ نے ہمیں بے پایاں نعمتوں' صلاحیتوں اور وسائل وذرائع سے نوازا ہے۔ معدنیات سے بھرے ہوئے پہاڑ ہمارے پاس ہیں۔ زمین کے نیچے نجانے ہمارے لیے تیل اور گیس سمیت کیسے کیسے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ ہمارے پاس دریا ہیں' زرخیز زمینیں ہیں' سمندر ہیں' صحت مند' ذہین اور باصلاحیت افرادی قوت ہے۔ جاپانیوں کے پاس تو ہمارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ نہ ایسی زمین نہ معدنیات نہ دیگر وسائل' نہ لوہا' نہ کوئلہ۔ وہ سب کچھ باہر سے منگواتے ہیں اور اپنے افراد کی محنت اور صلاحیتوں کے ذریعے کہاں سے کہاں جا پہنچے ہیں۔ قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود ہماری قومی پیداوار ۳۶ بلین ڈالر سالانہ ہے اور جاپان ۵۰۰۰ بلین ڈالر سالانہ۔ ہم قومی خود انحصاری اور قومی یکجہتی کی بنیاد پر ہی آزاد خارجہ پالیسی چلا سکتے ہیں۔

میں شہری آدمی ہوں لیکن سمجھتا ہوں کہ ہمارے خوشحال اور باوقار مستقبل کا راز زرعی ترقی میں ہے۔ کیا یہ المیہ نہیں کہ ہم اپنی زمین کا صرف پچاس فیصد زیر کاشت لاتے ہیں اور اس سے بھی دوسروں کی نسبت کم پیداوار حاصل کرتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری زرعی ترقی ہی ہماری صنعتی ترقی کے لیے بھی مضبوط بنیاد فراہم کرے گی' یہیں سے ہم اپنی سلامتی کے تقاضوں' اپنی دفاعی ضروریات کے لیے رقم بھی نکال سکیں گے اور غیروں کی محتاجی سے آزاد ہو جائیں گے۔

☆ نوائے وقت ...... یہ جو بعض دانشور جنوبی ایشیا میں "نیوکلیئر ریس" کے حوالے سے پاکستان اور بھارت کو یکساں مورد الزام ٹھہراتے ہیں بلکہ ہمارے ہاں تو بعض حضرات ایسے بھی ہیں جن کی گفتگو سے' جن کی تحریروں اور تقریروں سے لگتا ہے جیسے اس خطرناک دوڑ کا اصل ذمہ دار پاکستان ہو؟

○ اکرم ذکی ...... کوئی شخص حقائق سے آنکھیں بند کر لے' یا زیادہ صحیح الفاظ میں حقائق کا منہ چڑانے لگے تو اس کا کیا علاج؟ جنوبی ایشیا میں پہلا ایٹمی دھماکہ ہم نے نہیں' بھارت نے ۱۹۷۴ء میں کیا جس کے بعد ہم خطے کو نیوکلیئر فری زون بنانے کے حق میں ہمیشہ آواز بلند کرتے رہے۔ ہم ہر سال اقوام متحدہ میں قرارداد لاتے جس کی حمایت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر میں صرف تین ممالک ایسے رہ گئے جو اس کی مخالفت کرے' بھارت'

بھوٹان اور ماریشس۔ پاکستان اس اثناء میں کئی اور تجاویز بھی پیش کرتا رہا مثلاً "۱۹۷۸ء میں ہم نے یہ تجویز پیش کی کہ پاکستان اور بھارت دونوں اعلان کریں کہ ایٹمی ہتھیار بنائیں گے نہ رکھیں۔ اگلے سال ۱۹۷۹ء میں ہم نے کہا کہ دونوں بیک وقت این پی ٹی پر سائن کر دیں۔ ہم نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے تحفظات قبول کرنے کی بات بھی کی۔ ایک مرحلے پر دونوں کی ایٹمی تنصیبات کے باہم معائنے کی تجویز بھی دی۔ ۱۹۸۷ء میں ہماری تجویز تھی کہ دونوں آپس میں ٹیسٹ بین ٹریٹی کر لیں۔ گزشتہ نواز شریف حکومت میں (۱۹۹۱ء) ہم نے تجویز کیا کہ امریکہ، روس، چین، پاکستان اور بھارت مل بیٹھیں اور خطے کو نیوکلیئر فری زون بنانے کی راہ نکالیں۔ بھارت نے ان میں سے ہر تجویز مسترد کر دی۔

۱۹۹۲ء میں ہم نے تجویز پیش کی کہ پاکستان اور بھارت "ماس ڈسٹرکشن" کے ہر قسم کے ہتھیار ختم کر دیں۔ ان میں اٹامک، بائیولاجیکل اور کیمیکل تمام ہتھیار شامل تھے۔ بھارت نے صرف کیمیائی ہتھیاروں کی بات کی۔ اگست ۹۲ء میں معاہدہ ہو گیا کہ دونوں ملک کیمیائی ہتھیار نہیں بنائیں گے۔ ۱۹۹۶ء میں C.W.C پر دستخط کے وقت بھارت نے ایسے کیمیائی ہتھیاروں کا سٹاک ظاہر کیا تو پتہ چلا کہ وہ اگست ۹۲ء کے اس معاہدے کی بھی خلاف ورزی کرتا رہا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں ہم نے "زیرو میزائل رجیم" کی پیشکش کی لیکن بھارت کا رویہ وہی میں نہ مانوں والا تھا۔ اس دوران بھارت بیس سے زائد بار میزائلوں کا تجربہ کر چکا ہے جبکہ ہم نے صرف ایک غوری کا تجربہ کیا ہے۔

باقی رہی حالیہ ایٹمی دھماکوں کی بات تو میں ابھی بتا چکا ہوں کہ ہم ان جوابی ایٹمی دھماکوں پر کیوں مجبور ہوئے۔ یہاں اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ ان دھماکوں کے بعد ہم نے اپنے طور پر یہ اعلان بھی کر دیا ہے کہ مزید ٹیسٹ نہیں کریں گے۔ ہماری ایٹمی پالیسی، جنگ لڑنے کی نہیں بلکہ اسے روکنے کی ہے۔ ۲۸ مئی کے جوابی دھماکوں سے خطے میں دوبارہ طاقت کا توازن قائم ہو گیا۔ ہم نے جنگ کو روکنے کے لیے جنگی صلاحیت حاصل کر لی ہے، اسے کافی سمجھتے ہیں۔ ہم اس دوڑ میں مزید حصہ نہیں لینا چاہیے چنانچہ آپ دیکھیں کہ ہم نے سی ٹی بی ٹی پر امریکہ سے بات چیت شروع کر رکھی ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ اس پر دستخط کرنے کے کیا فوائد ہیں اور نہ کرنے کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں کیا فیصلہ ہو گا، یہ میں نہیں کہہ سکتا لیکن اتنی بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جو بھی فیصلہ ہو گا، اپنے بہترین قومی مفادات کے مطابق ہو گا۔

☆ نوائے وقت ...... لیکن جناب فاروق لغاری اور محترمہ بینظیر بھٹو سمیت بعض قائدین تو

دھماکوں کے ساتھ ہی سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کا مطالبہ کرنے لگے تھے۔ یہ کوئی اچھی چیز ہے تو پھر مذاکرات میں وقت ضائع کرنے کا کیا فائدہ؟

○ اکرم ذکی ..... میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ ان قائدین نے ایٹمی دھماکوں سے قبل کیا موقف اختیار کیا اور اس کے بعد ان کا موقف کیا تھا۔ آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ دھماکوں کے بعد امریکہ کا پہلا مطالبہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے تو دستخط نہیں کر سکتے۔ ہمیں سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے ہیں' مذاکرات کرنے ہیں اور اپنا قومی نفع و نقصان دیکھنا ہے۔ یہاں تو ایسے دانشور بھی ہیں جو چاہتے ہیں کہ پاکستان امریکہ کی ہر ڈکٹیشن پر آمنا وصدقنا کہہ دے۔ لیکن آپ ہی بتائیے کہ کیا پاکستان کو اپنے حق سے دستبردار ہو کر وہی کرنا چاہئے جو امریکہ اپنے مفاد میں چاہتا ہے؟ چھوٹے ممالک کا بھی وقار اور مفادات ہوتے ہیں جن کے تحفظ کے لیے مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے لیکن عزم' استقلال' استقامت اور حوصلے سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ کسی بڑی طاقت کے سامنے لیٹنے جانے سے تو مزید تذلیل ہوگی۔ جن لوگوں نے امریکی غلامی میں عزت تلاش کی وہ بالآخر ذلیل ہوئے۔ شاہ ایران سے مارکوس تک متعدد مثالیں ہیں۔ دوسری طرف کیوبا کے فیڈل کاسترو سے صومالیہ کے فرح عدید تک ایسی روشن مثالیں بھی ہیں جنہوں نے امریکہ کے آگے جھکنے سے انکار کیا اور آخر کار عزت پائی۔

☆ نوائے وقت ..... سی ٹی بی ٹی' این پی ٹی اور ایف ایم سی ٹی وغیرہ ایٹمی معاملات کے حوالے سے یہ الفاظ عموماً" پڑھنے سننے میں میں آتے ہیں' کچھ ان معاہدوں سے متعلق بتائیے۔

○ اکرم ذکی ..... یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں' امریکہ ۱۹۴۵ء میں پہلی ایٹمی طاقت بنا۔ اس نے ۱۶ جولائی کو پہلا ایٹمی ٹیسٹ کیا اور تین ہفتے کے بعد ۶ اگست کو ہیروشیما اور ۹ کو ناگاساکی پر ایٹم بم چلا دیا۔ ۱۹۴۹ء میں روس نے' ۱۹۵۲ء میں برطانیہ نے اور ۱۹۶۰ء میں فرانس نے بھی ایٹمی ٹیسٹ کر لیے۔ اب ان چاروں نے مل کر چین کو روکنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ۱۹۶۳ء میں انہوں نے "پارشل ٹیسٹ بین ٹریٹی" کر لیا جس کی مدد سے زمین کے اوپر یا فضاء میں ایٹمی ٹیسٹ بین کر دیے گئے لیکن زیر زمین ٹیسٹ کی اجازت رہی۔

۱۹۶۴ء میں چین نے بھی ایٹمی دھماکہ کر دیا تو یہ کوشش ہوئی کہ اب باقی ممالک کو ایٹمی طاقت بننے سے کیسے روکا جائے چنانچہ ۱۹۶۷ء میں این پی ٹی (نان پرولفریشن ٹریٹی) وجود

میں آیا جس کی رو سے طے پایا کہ اکتوبر ۶۷ء سے پہلے جن ممالک نے ٹیسٹ کر لیے وہ تو ایٹمی طاقت تسلیم لیکن کوئی اور ملک یہ حرکت نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھ ہی ان پانچ ایٹمی طاقتوں کی یہ ذمہ داری قرار پائی کہ وہ کسی اور کو ایٹمی طاقت نہیں بننے دیں گے۔ جو غیر ایٹمی ممالک این پی ٹی پر دستخط کر دیں گے' انہیں پر امن مقاصد کے لیے نیوکلیئر انرجی کے حصول میں مدد دی جائے گی اور یہ بھی کہ ایٹمی کلب کے یہ پانچ ارکان آہستہ آہستہ اپنے ایٹمی ہتھیار بھی ختم کر دیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ انہوں نے اپنے ہتھیار ختم نہیں کیے اور جن ممالک نے سائن کر دیے' ان سے پر امن نیوکلیئر انرجی کے حصول میں بھی کوئی تعاون نہ کیا۔

۱۹۷۴ء میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کر لیا۔ اس کا موقف تھا کہ وہ اس "عالمی نسل پرستی" کو تسلیم نہیں کرتا کہ پانچ ممالک تو ایٹم بم رکھ سکتے ہیں اور کسی اور کے لیے یہ شجر ممنوعہ ہے۔ بھارت کا اصرار تھا کہ دوسروں کو ایٹمی طاقت بننے سے روکنے والے یہ پانچ ممالک اپنے ایٹمی ہتھیار بھی ختم کریں جبکہ پاکستان کا موقف بہت سادہ تھا "ہم این پی ٹی کو تسلیم کرتے ہیں' بھارت دستخط کر دے تو ہم بھی کر دیں گے"۔

ابتداء میں این پی ٹی ۲۵ سال کے لیے تھا۔ ۱۹۹۵ء میں نظر ثانی کر کے اسے مستقل کر دیا گیا اور ایٹمی کلب ہمیشہ کے لیے ان پانچ ممالک تک محدود ہو گیا۔ ہم اسی موقف پر قائم رہے کہ ہماری ایک ہی شرط ہے۔ بھارت دستخط کر دے تو ہم بھی کر دیں گے۔ ہم نے سی ٹی بی ٹی کی بھی اصولی حمایت کی لیکن اس پر دستخط کو بھارت کے ساتھ مشروط کر دیا۔

آپ نے ایف ایم سی ٹی کے متعلق بھی پوچھا۔ اس ٹریٹی کے تحت یورینیم کی افزودگی (این رچمنٹ) اور "ویپن گریڈ پلوٹونیم" کی تیاری پر پابندی ہے۔ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت یورینیم کی این رچمنٹ سے حاصل کردہ ہے جبکہ بھارت نے یہ صلاحیت پلوٹونیم کی ری پراسیسنگ سے حاصل کی ہے۔ ایف ایم سی ٹی میں تجارتی مقاصد کے لیے پلوٹونیم رکھنے کی اجازت ہے جبکہ یورینیم کے سلسلے میں یہ سہولت نہیں۔ ہمارے لیے ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے بے نظیر بھٹو کے پہلے دور حکومت میں یورینیم کی این رچمنٹ کا عمل یکطرفہ طور پر بند کر دیا تھا جبکہ بھارت نے پلوٹونیم کی ری پراسیسنگ کا عمل جاری رکھا۔ ایف ایم سی ٹی کے تحت پہلے سے تیار شدہ یورینیم یا پلوٹونیم رکھنے پر پابندی نہیں۔ اس کی مزید تیاری پر پابندی ہے۔

یہ سب معاہدے اپنی روح اور مقاصد کے لحاظ سے بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن

اصل مسئلہ تو بڑی طاقتوں کے امتیازی طرز عمل کا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا' ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ بھارت نے کیا' پابندیاں ہم پر لگ گئیں۔ ہم نے اپنی توانائی کی ضروریات کے لیے کراچی میں ۱۳۷ میگاواٹ کا نیوکلیئر پاور پلانٹ کینیڈا کے تعاون سے لگایا تھا۔ بھارتی دھماکہ کے بعد' کینیڈا نے فیول اس کا بند کر دیا۔ ہم نے اپنا فیول بنانا شروع کیا تو امریکہ نے سمنگٹن ترمیم لاگو کر دی۔ فرانس کے ساتھ ری پراسیسنگ پلانٹ کا سودا ہوا تو امریکہ نے پھر دباؤ ڈالا' گلین ترمیم آ گئی اور آخر فرانس اس سودے سے منحرف ہو گیا۔ ۱۹۷۹ء میں افغانستان میں سوویت مداخلت کے بعد امریکہ نے ۱۹۸۰ء میں ہمیں پانچ سال کے لیے "ویور" دے دیا اور ہماری فوجی واقتصادی امداد بحال کر دی۔ ۱۹۸۵ء میں گورباچوف کی آمد کے بعد افغانستان سے سوویت انخلاء کے امکانات پیدا ہوئے تو امریکی ہمارے لیے سال بہ سال سرٹیفکیٹ جاری کرنے پر آ گئے۔ ۱۹۸۹ء میں سوویت انخلاء مکمل ہونے کے بعد ۱۹۹۰ء میں پھر وہی پابندیاں لاگو ہو گئیں۔ اور میں ابھی یہ بتا چکا ہوں کہ ۱۹۷۴ء کے بعد سے ہم خطے کو نیوکلیئر فری زون بنانے کے لیے کیا کیا تجاویز پیش کرتے رہے اور بھارت انھیں کس طرح مسترد کرتا رہا۔

☆ نوائے وقت ..... سی ٹی بی ٹی پر دستخط کے متعلق آپ کی رائے؟

○ اکرم ذکی ..... دیکھیں سی ٹی بی ٹی جو دھماکے ہو چکے' ان کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ آپ دستخط کر دیں گے تو مزید دھماکوں کے حق سے محروم ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے مزید تجربات نہیں کرنے تو اس پر دستخط کرنے کا کوئی نقصان نہیں۔ البتہ اس خدشے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس دوران بھارت بہت آگے نکل جائے اس لیے احتیاط بھی اپنی جگہ ضروری ہے۔

☆ نوائے وقت ..... نئی صورت حال میں آپ کشمیر کا مستقبل کیا دیکھتے ہیں؟

○ اکرم ذکی ..... کشمیر کے بھارت سے جعلی الحاق کے خلاف کشمیریوں نے ہتھیار اٹھا لیے تو یہ خود بھارت تھا جو اقوام متحدہ میں گیا۔ چنانچہ سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے قراردادیں منظور کیں جن میں استصواب رائے کو اس مسئلے کا حل قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کے بعد دنیا نے بھارت کو خطے کا بڑا ملک سمجھ کر یہ فرض کر لیا کہ اب مسئلہ کشمیر کا بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ بھارت اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد بین الاقوامی سطح پر پھر یہ احساس بیدار ہوا ہے کہ مسئلہ کشمیر جنوبی ایشیا میں کشیدگی کا بنیادی سبب ہے۔ یہ بہت بڑا "فلیش پوائنٹ" ہے۔ جب تک یہ موجود رہے گا' خطے میں ایٹمی تصادم کے

امکانات بھی موجود رہیں گے۔ آپ دیکھیں کہ ان دھماکوں کے بعد P-5 وزراء خارجہ جنیوا میں جمع ہوئے تو انہوں نے مسئلہ کشمیر کے حل پر زور دیا۔ ۶ جون کو سلامتی کونسل نے ایک قرارداد میں اس مسئلے کے حل کی ضرورت پر زور دیا۔ ۱۲ جون کو جی ایٹ کا اجلاس لندن میں ہوا تو اس میں بھی مسئلہ کشمیر کا ذکر ہوا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بھارت کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس مسئلے میں عالمی دلچسپی' عالمی دباؤ کو مزید بڑھانے کی ضرورت ہے۔ دو ملک باہم بات چیت کے ذریعے اپنے تنازعات طے کر لیں تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن پاک بھارت تنازعات کا معاملہ یہ ہے کہ بھارتی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہمارا کوئی بھی تنازعہ دو طرفہ سطح پر حل نہیں ہوا۔ دونوں ملکوں میں دریائی پانی کا تنازعہ ورلڈ بنک کی مصالحت سے حل ہوا (سندھ طاس کا معاہدہ) رن آف کچھ کا تنازعہ ثالثی سے طے پایا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد روس کی دلچسپی معاہدہ تاشقند کا باعث بنی۔ صرف شملہ معاہدہ ایسا ہے جو دو طرفہ بات چیت سے عمل میں آیا لیکن بھارت اس کے تحت بھی کشمیر پر بات کرنے کو تیار نہیں۔

☆ نوائے وقت ..... ایک رائے یہ ہے کہ شملہ معاہدے کے بعد اب مسئلہ کشمیر کو کسی بین الاقوامی فورم پر نہیں اٹھایا جا سکتا۔

○ اکرم ذکی ..... نہیں ایسی کوئی پابندی نہیں۔

☆ نوائے وقت ..... یہ جو نواز شریف صاحب کی دوسری حکومت نے آتے ہی بھارت کے ساتھ مذاکرات کی پالیسی کا آغاز کیا' آخر اس سے کیا حاصل ہوا؟

○ اکرم ذکی ..... دیکھیں جناب مسئلہ کشمیر کے حوالے سے آپ کے سامنے تین راستے ہیں۔

(۱) اس مسئلے پر کچھ نہ کیا جائے' اسے جوں کا توں رہنے دیا جائے۔ گویا سٹیٹس کو برقرار رہے۔

(ب) بھارت کے ساتھ جنگ کی جائے۔

(۳) بات چیت کی جائے۔

پہلا راستہ اختیار کرنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب باقی دو راستوں میں سے آپ بتائیے کہ ہمارے لیے کون سا راستہ ممکن ہے؟ اور پھر آپ یہ بتائیں کہ مذاکرات سے نقصان کیا ہوا؟ میں تو کہوں گا کہ اس کے نتیجے میں مسئلہ کشمیر ایک بار پھر عالمی سطح پر ایک موضوع بن گیا۔ دونوں ممالک کے وزراء اعظم کی ملاقات کی خبر آتی ہے تو ساری دنیا کی توجہ اس پر ہوتی ہے کہ اس میں کشمیر پر بات ہوئی یا نہیں؟ اور اگر بات ہوئی تو کیا ہوئی۔ کولمبو میں نواز شریف اور واجپائی ملے' اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا لیکن دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ میں کشمیر

کی بات ہوئی۔ ادھر کشمیریوں کو بھی حوصلہ ملتا ہے کہ وہ اپنی آزادی کے لیے سر بکف ہیں تو سیاسی وسفارتی سطح پر کوئی ان کی بات کرنے والا بھی ہے۔

☆ نوائے وقت ..... حکومت کی موجودہ افغان پالیسی کو بھی بعض حلقے ہدف تنقید بنا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شمالی افغانستان میں طالبان کی حالیہ فتوحات کے نتیجے میں ایران جیسے دوست ملک کو بھی ہم سے شکایات پیدا ہو گئی ہیں۔ وسط ایشیائی ریاستوں کی حکومتیں بھی ہمیں اس میں ملوث سمجھتی ہیں۔

○ اکرم ذکی ..... جی ہاں "محترمہ" بھی ان دنوں اس پر خاصی لے دے کر رہی ہیں لیکن آپ یہ بتائیں کہ طالبان کس حکومت کے دوران ابھرے؟ نواز شریف کی گزشتہ حکموت کے دوران تو طالبان فیکٹر کہیں نہیں تھا۔ اس دوران ہماری حتی الامکان کوشش تھی کہ افغانستان میں تمام افغان دھڑوں کے لیے قابل قبول حکومت قائم ہو جائے تا کہ وہاں امن وسکون کی فضا میں تعمیر نو کا آغاز ہو۔ پر امن افغانستان ہماری بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی خود افغانوں کی۔ ہم نے ۱۹۹۲ء میں معاہدہ پشاور کرایا جس پر حکمت یار کی حزب اسلامی سمیت ساتوں افغان دھڑوں کے دستخط تھے پھر ۱۹۹۳ء میں معاہدہ اسلام آباد ہوا جسے ایران اور سعودی عرب کی تائید بھی حاصل تھی۔ اس معاہدے پر دستخطوں کے بعد ہم افغان قائدین کو سعودی عرب اور ایران بھی لے گئے۔ لیکن چند ہی ماہ بعد نواز شریف حکومت کے خاتمے کے بعد صورت حال پھر بدل گئی۔ اب طالبان آگئے جس کا کریڈٹ خود جنرل نصیر اللہ بابر بڑے فخر سے لیتے رہے۔ نواز شریف دوبارہ برسر اقتدار آئے تو افغانستان میں نئے حقائق تھے۔ ہم نے طالبان حکومت کو اس لیے تسلیم کیا کہ ہماری سرحد کے اس پار یہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ ہمیں افغانستان سے تعلقات رکھنے ہیں' بات چیت کرنی ہے تو کابل کی حکومت کے ذریعے ہی کریں گے۔ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ پاکستان نے ہر اس حکومت کو تسلیم کیا جو کابل میں برسر اقتدار تھی۔ ظاہر شاہ' داؤد' نور محمد ترکئی اور حفیظ اللہ امین تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر ببرک کارمل سوویت ٹینکوں پر بیٹھ کر کابل پر قابض ہوئے تو ہم نے بین الاقوامی قوانین کے تحت اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ہماری یہی پالیسی کابل کی نجیب انتظامیہ کے متعلق بھی تھی۔ آپ حقائق سے زیادہ دیر تک آنکھیں بند نہیں رکھ سکتے۔ خود امریکہ کو روس اور چین کی کمیونسٹ حکومتوں کو تسلیم کرنا پڑا۔ ضروری نہیں کہ آپ جس حکومت کو تسلیم کر رہے ہیں' وہ آپ کی پسندیدہ بھی ہو۔ آپ ہر جگہ اپنی پسند کی حکومت نہیں لا سکتے۔ یہ تو روس اور امریکہ بھی نہیں لا سکتے۔

طالبان ہمارے بھائی ہیں' پاکستان کے دوست ہیں' لیکن وہ ہمارے پابند تو نہیں' ان کا اپنا ایجنڈا ہے۔ جہاں تک ان کے زیر حراست ایرانی سفارت کاروں کا مسئلہ ہے' تو ہم نے پہلے بھی اس سلسلے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے کی کوشش کی' اب بھی کریں گے۔

☆ نوائے وقت ..... لیکن ایران کے ساتھ تعلقات؟

○ اکرم ذکی ..... ایران اور پاکستان کے مشترکہ مفادات بہت گہرے ہیں۔ کبھی کبھار کسی مسئلے پر اختلافات بھی ہو جاتے ہیں اور یہ فطری بات ہے۔ لیکن یہ وقتی اختلافات مستقل مشترکہ مفادات پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ ہم کئی نازک مواقع پر ایرانی بھائیوں کے کام آئے اور یہی معاملہ ہمارے ایرانی بھائیوں کا ہمارے متعلق رہا۔ ان تعلقات کی لمبی تاریخ ہے اور یہ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ میں اسی دور کی مثال دیتا ہوں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو پاکستان کی گولڈن جوبلی کے سلسلے میں اسلام آباد میں او آئی سی کا خصوصی اجلاس ہوا اور ہم نے اس موقع پر ایران کے صدر اور سعودی عرب کے ولی عہد کی ملاقات کو ممکن بنایا جس کے بعد ایران اور سعودیہ میں تعلقات کا نیا دروازہ کھلا۔ پھر باہم آمد و رفت میں اضافہ ہوا۔ خدا کے فضل سے عرب و عجم کے تعلقات میں خوش گوار پیش رفت جاری ہے۔ اسی سال دسمبر میں ایران میں اسلامی سربراہ کانفرنس ہونا تھی۔ امریکہ کے ایما پر چند عرب ممالک اس کی مخالفت کر رہے تھے۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس موقع پر پھر ہمیں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع ملا اور تہران میں او آئی سی سربراہ کانفرنس نہایت کامیاب رہی۔

☆ نوائے وقت ..... طالبان کے متعلق بعض حلقے جو منفی رائے رکھتے ہیں مثلاً طالبان کی انتہا پسندی؟

○ اکرم ذکی ..... میں یہی کہوں گا کہ حکومت میں آنے کے بعد ذمے داری کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ ایرانی انقلابیوں کے متعلق ابتداء میں کیا کیا خدشات تھے اور خود ان کے رویے میں بھی جذباتیت نمایاں تھے لیکن رفتہ رفتہ احساس ذمہ داری غالب آ گیا۔

☆ نوائے وقت ..... بعض حلقے ایران اور افغانستان میں جنگ کے خدشات بھی ظاہر کرتے ہیں؟

○ اکرم ذکی ..... افغانوں کی اپنی تاریخ ہے۔ انہوں نے دوبارہ سپر پاورز کو شکست دی' برطانیہ کو اور سوویت یونین کو۔ ہمارے ایرانی بھائی بھی اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ پاکستان کو بھی اس کا احساس ہے اور امید ہے کہ امریکہ بھی اسے نظر انداز نہیں کرے گا۔

☆ نوائے وقت ..... آپ نئے عالمی تناظر میں پاکستان کی خارجہ پالیسی کے لیے کیا آپشن تجویز

کرتے ہیں؟

○ اکرم ذکی ..... چین اور ایران دو ایسے ممالک ہیں جن سے تعلقات کو ہمیں خصوصی اہمیت دینی چاہئے اور یہی معاملہ باقی مسلمان ممالک کا بھی ہے۔ یورپ اور جاپان سے تجارتی و تکنیکی تعلقات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ امریکہ کے ساتھ باعزت مذاکرات کے ذریعے تعلقات میں استحکام پیدا کرنا چاہئے۔ نہ امریکہ سے تصادم' نہ اس کی غلامی۔ یہ دونوں راستے خطرناک ہوں گے۔ اعتدال کا راستہ ہی خیر وسلامتی کا راستہ ہے۔ اور ہمیں تو قرآن پاک نے بھی اعتدال وتوازن کا درس دیا "خیر الامور او سطہا"

ہندوستان کے ساتھ بھی ہمیں احتیاط اور دانش مندی کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ وزیر اعظم نواز شریف نے گزشتہ کولمبو کانفرنس میں "پیس' سیکیورٹی اینڈ ڈویلپمنٹ" کے عنوان سے جو جامع تجویز دی' اسے خطے کے چھوٹے ممالک نے سراہا۔ یہ تجویز خطے میں امن وامان' سیاسی و عسکری استحکام اور اقتصادی ترقی کی بنیاد فراہم کرتی ہے۔ سلامتی کونسل کے مستقل ارکان پی فائیو اور جی ایٹ کے رکن ممالک کے ساتھ بھی فردا" فردا" دو طرفہ تعلقات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

قصہ المختصر یہ کہ ایٹمی طاقت بن جانے کے بعد ہماری ذمے داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اب جوش کے بجائے ہوش اور جذبات کے بجائے احتیاط سے کام لینے کی کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت' ۳ ستمبر ۹۸ء)